Negotiations 1:3 (2021) pp. 11-19 **ISSN: 2789-293X**

عمران اقبال کی افسانہ نگاری میں تانیثی شعور

Feminine Consciousness in Imran Iqbal's Fiction Writing

Saira Irshad
Lecturer, Urdu Department, Government Sadiq College Women University, Bahawalpur, Pakistan.
Madiha Naeem
Research Scholar, Urdu Department, Govertment Sadiq College Women University, Bahawalpur, Pakistan.

KEYWORDS

Feminine Consciousness
Economic Situation
Self-esteem
Humour
Mental Harrasement
Sexual Violence
Psychological Issues
Social Injustice

ABSTRACT

Imran Iqbal's name is prominent in Urdu fiction. He is from Bahawalpur but he is residing in the United States for employment. Imran Iqbal tried his hand at travelogues, fiction, novels and memoirs. He has made women and her issues the subject of his fictions. Imran Iqbal has presented a true picture of a woman who at every step faces various forms of male repressive behavior, outdated customs, husband and father-in-law atrocities, domestic violence and sexual harassment. Her fiction depicts women's psychological problems, the sexual appetites of landlords, capitalists, bureaucrats and top officials. Imran Iqbal has awakened Tanila consciousness through his pen.

DOI: https://doi.org/10.54064/negotiations.v1i3.25

DATES

Received	20-10-2021
Accepted	09-12-2021
Published	21-12-2021

QR CODE

تلخیص:

اردو افسانہ نگاری میں عمران اقبال کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا تعلق بہاول پور سے ہے تاہم وہ بسلسلہ روزگار امریکہ میں مقیم ہیں۔ عمران اقبال نے سفر نامہ، افسانہ، ناول اور تذکرہ نگاری میں طبع آزمائی کی۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں عورت اور اس کے مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ عمران اقبال نے ایسی عورت کی حقیقی تصویر پیش کی ہے جسے ہر قدم پر مرد کے جابرانہ رویے، فرسودہ رسم ورواج، شوہر اور سسرال کے مظالم، خانگی تشدد اور جنسی ہراسانی کی مختلف صورتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کے افسانوں میں عورت کے نفسیاتی مسائل، جاگیرداروں ، سرمایہ داروں، بیوروکریٹس اور افسران بالا کی جنسی بھوک کی عکاسی کی گئی ہے۔ عمران اقبال نے اپنے قلم کے ذریعے تانیثی شعور بیدار کیا ہے۔

اردو فکشن کی دنیا میں ایک معتبر اور معروف نام عمران اقبال کا ہے جن کی پیدائش بہاول پور میں یکم اگست ۱۹۵۷ء کو ہوئی۔انھوں نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ چلے گئے۔عمران اقبال نے عملی زندگی کا آغاز وکیل کی حیثیت سے کیا،اس کے بعد انھوں نے لاہور کی فلمی صنعت میں قسمت آزمائی جب کہ کچھ عرصہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔اس کے بعد انھوں نے روزگار کے سلسلے میں امریکہ میں سکونت اختیار کی اور وہ آج کل بھی وہیں مقیم ہیں۔

عمران اقبال نے اردو ادب کو سفرناموں،افسانوں،ناول اور تذکرہ نگاری سے نوازا ہے۔نثر نگاری ان کا بنیادی حوالہ ہے۔انھوں نے زمانہ طالب علمی میں ہی ادب وثقافت اور سیاست میں حصّہ لینا شروع کر دیا تھا۔بچپن سے انہیں کہانیاں،ناول،بچوں کے رسالے،اخبارات،میگزین پڑھنے کا شوق تھا۔ان کا پہلا افسانہ ۱۹۷۴ء میں ”جھوٹے سپنے“جب کہ دوسرا افسانہ ”شعلے“کے عنوان سے ماہنامہ ”شمع“ کراچی میں شائع ہوا۔ماہنامہ ”شمع“ دہلی میں بھی ان کے افسانے شائع ہوتے رہے اسی طرح وہ کراچی سے چھپنے والے ماہنامہ ”سپورٹس آبزرور“ کے لکھاری بھی رہے اور پھر یہ سلسلہ ”آداب عرض“ اور ”سلام عرض“ جیسے ادبی میگزین تک پھیل گیا۔ان کی تحریریں رسالہ ”فراست“ بہاول پور اور ”اخبار جہاں“ کراچی میں شائع ہوتی رہیں۔

عمران اقبال کا پہلا سفرنامہ ”بحر اوقیانوس کے کنارے“،بہت اہمیت کا حامل ہے۔اس کے دو ایڈیشن بالترتیب ۱۹۹۷ء اور ۲۰۰۸ء میں شائع ہو چکے ہیں۔دوسرا سفرنامہ ”پردیس میں کبھی کبھی“،۲۰۰۰ء میں منظر عام پر آیا۔

افسانوی مجموعہ میں ”آخری عورت“، ”ادھورے خواب کا منظر“، ”مون سون“ اور ”نام گم ہو جاتے ہیں“ نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ناول ”لندن کی وہ شام“ بہاول پور اور لندن کے مکینوں کی زندگیوں کا خوبصورت مرقع ہے۔تذکروں پر مبنی کتاب ”بہاول پور میں اردو شاعری“ کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔

عمران اقبال ایک سوشل ورکر ہیں۔وہ چولستان ڈویلپمنٹ کونسل کے وائس چیئرمین بھی رہے جب کہ بہاول پور کی قدیم ادبی تنظیم ”چولستان علمی و ادبی فورم“ کے بانی اراکین میں شامل ہیں۔چولستان علمی وادبی فورم نے عمران اقبال کی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔عمران اقبال ڈربن ساؤتھ افریقہ کی تنظیم اسلامک سنٹر انٹرنیشنل کے تاحیات رکن ہیں۔انھوں نے فوٹوگرافی میں متعدد اعزازات حاصل کیے ہیں۔ان کی اکثر تصانیف کے سرورق ان کی فوٹوگرافی کے فن کمال کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔عمران اقبال امریکہ کے انٹرنیشنل فری لانس فوٹوگرافر آرگنائزیشن واشنگٹن ڈی سی کے بھی تاحیات ممبر ہیں۔عمران اقبال کی شخصیت کا ایک اور نمایاں پہلو ادب سے وابستگی ہے۔

عمران اقبال کی تخلیقات میں افسانہ،ناول،سفرنامہ اور تذکرہ شامل ہے۔وہ اپنے منفرد اندازِ تحریر کی بدولت اردو ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔بحیثیت فکشن نگار انھوں نے اپنے افسانوں میں عورت اور اس کے مسائل کو پیش کیا ہے۔معاشرے کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے وہ اپنے افسانوں کی مظلوم اور بےبس عورت کو ظلم کی چکی میں پستے ہوئے دکھاتے ہیں: جب عملی کردار ہی شخصیت اور میلان کی کسوٹی ہے تو ہمارے لیے ان عوامل کا مطالعہ ضروری ہے جن کا نتیجہ عورت کی مسخ شدہ شخصیت ہے۔[1]

---

[1] عتیق اللہ، **تانیثی جمالیات کا تعین: شبہات و امکانات** (نئی دہلی: ماڈرن پبلی کیشنز، 2004ء)، 106۔

متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ بعض اوقات زندگی میں اپنی عزت کو بچانے کے لیے ایسے اقدامات اٹھالیتے ہیں جوان کوسخت تکلیف پہنچاتے ہیں۔ انہیں اپنی عزت تکلیف سے زیادہ عزیز ہوتی ہے کیونکہ مفلس لوگوں کے پاس عزت کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور وہ اس کی حفاظت جان سے بھی بڑھ کر کرتے ہیں۔ خالہ پروین اسی صورتحال سے دوچار ہے۔ نیک نامی کو بچانے کے لیے وہ اپنی بیٹی ندا کو دلہن کے جوڑے میں زہر دے کر مار دیتی ہے اور ندیم کو اس کی رخصتی کے بارے میں بتاتے ہوئے کہتی ہے: میں نے ندا کو دلہن بنا کر زہر دے دیا اور اس کی رخصتی کر دی۔ لیکن وہ میرے پاس ہی رہی۔ میں اس کے بنا بھی تو نہیں رہ سکتی تھی مجھے ڈر لگتا تھا۔ تم دیکھو نا، اسے چنبیلی کے پھول پسند تھے۔ میں روزانہ یہ پھول اس کے قدموں میں ڈالتی رہی ہوں۔ [2]

افسانہ "الزبتھ"، میں مشرقی و مغربی تہذیبیں آپس میں متصادم نظر آتی ہیں۔ مغربی تہذیب کی نمائندہ الزبتھ مرکزی کردار ظہیر کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتی ہے۔ اپنے اپاہج شوہر سے متنفر جنسی تسکین کے حصول کے لیے مختلف لوگوں سے مراسم قائم کرتی ہے جسے مشرقی معاشرے میں بالکل بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ مشرقی تہذیب قدیم روایات کی امین ہے جبکہ مغربی تہذیب میں بے راہ روی عام ہے۔ جہاں مغربی معاشرے میں برائیاں پائی جاتی ہیں وہیں کچھ اچھائیاں بھی موجود ہیں۔

"آنکھیں کھارے پانی کا سمندر" میں تبسم کو حالات کی چکی میں پستے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ جو اپنے گھر والوں کا پیٹ پالنے کے لیے لوگوں کے گھروں میں کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔ سخت محنت کے باوجود ان کی گزر اوقات مشکل سے ہوتی ہے۔ باپ کے ہوتے ہوئے بھی زمانے کی ٹھوکریں اس کا نصیب ٹھہرتی ہیں۔

افسانے میں منظر کشی کا عنصر قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھتا ہے۔ بعض اوقات لوگوں کے معاشی حالات کا منظر الفاظ کی صورت میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ قاری کے سامنے فلم سی چلنے لگتی ہے۔ باپ تو اپنی بیٹیوں کی حفاظت خود سے بڑھ کر کرتے ہیں لیکن فضلو کا کردار ایک ایسے باپ کے طور پر سامنے آتا ہے کہ جو اپنی غرض پوری کرنے کے لیے ہر حد پار کر دیتا ہے۔ یہاں معاشرے کے منفی پہلوؤں کو دکھایا گیا ہے۔ مجبور بیٹی کی بے بسی کے منظر کو تلخ انداز میں بیان کیا گیا ہے جو اپنے باپ سے سخت نفرت محسوس کرتی ہے:

> "شام کے سائے رفتہ رفتہ سیاہی میں ڈوبتے جا رہے تھے اور وہ بنی سنوری بیٹھی تھی۔ اسے اپنے باپ کے چہرے پر بے غیرتی کے سائے لہراتے نظر آئے۔ نجانے کیوں اس کے دل میں طوفان سا اٹھا۔۔۔۔۔ نفرتوں کا طوفان۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اس کا چہرہ ناخنوں سے لہولہان کر دے۔ اس نے سوچا یہ میرا کیسا باپ ہے جو اپنی غرض کے لیے خود اپنی بیٹی کا سودا کر رہا ہے۔ باپ تو بیٹیوں کی عزت کے محافظ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ۔۔۔۔۔۔؟؟ نہیں نہیں یہ میرا باپ نہیں ہو سکتا۔ یہ تو میرا دلال ہے۔ شدید ترین نفرت کے زیر اثر وہ چیخ پڑی۔" [3]

"آخری عورت" میں متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے گھریلو مسائل پیش کیے گئے ہیں۔ شک ایک ایسی بیماری ہے جو سکون کو غارت کر دیتی ہے۔ اس کی بدولت خوش حال گھرانہ تباہ ہو جاتا ہے۔ انسان نہ تو خود سکون سے رہتا ہے اور نہ ہی کسی اور کو رہنے دیتا ہے۔ یوں شکی انسان ایک ان دیکھی آگ میں جلنے لگتا ہے۔ مرکزی کردار فیصل اسی کشمکش سے دوچار ہو کر اپنی وفادار بیوی پہ شک کرتا ہے۔ اپنی بیوی کو طلاق کی دھمکی دیتا ہے تو وہ غصّے سے کہتی ہے کہ ایک کمزور انسان شک کی آگ میں خود بھی جھلستا ہے اور دوسروں کے لیے بھی آزمائش کا باعث بنتا ہے۔

---

[2] عمران اقبال، **آخری عورت** (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2003ء)، 84۔

[3] **ایضاً**، 84۔

روہی کے پس منظر میں لکھا گیا افسانہ ہے۔ روہی سے جڑے ہوئے مسائل کو بڑی مہارت سے کہانی کا روپ دیا گیا ہے۔ یہ ایک معنی خیز کہانی "بچھو" ہے۔ بچھو کے زہریلے ہونے کو انسان کے زہریلے پن سے کم تر قرار دیا گیا ہے۔ افسانے میں روہی سے نکلنے والے کالے بچھو کا ذکر بھی ملتا ہے جو نہ صرف دیکھنے میں خوفناک ہے بلکہ اس کا زہر بھی جانداروں کو تڑپا دیتا ہے۔ یہ افسانہ روہی میں بسنے والے ایک خاندان کی داستان ہے۔ سکو سونے جیسی رنگت والی لڑکی تھی، خوبصورتی اس کے لیے وبال جان بن گئی:

"سکو جس کا اصل نام سکینہ تھا چولستان کے وسیع و عریض صحرا میں وہ پھول تھی جس کی خوشبو چہار سو پھیلنے لگی تھی۔ جس کے رنگ قوس قزح کے رنگوں جیسے تھے۔ تپتے سونے جیسی رنگت، پتلی کمر، ستواں ناک، گہری اور سیاہ بھوری آنکھیں، لمبے سیاہ بال جو کسی ناگن کی طرح کمر سے نیچے تک لہراتے ہوئے سیاہ گھٹاؤں کو بھی شرما دیتے۔ چال ایسی جیسے کوئی بدمست ہرنی ماحول سے بے خبر ہو۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اس کا شباب صحراؤں میں پکے ہوئے پیلو کی طرح رس کی بوندیں ٹپکاتا تھا" [4]

> جنس معاشرے کا ایک تاریک پہلو ہے۔ شریف لڑکیاں اپنے گھروں میں بھی محفوظ نہیں۔ وحشی درندے ہر وقت اس تاک میں رہتے ہیں کہ کسی معصوم کی زندگی تباہ و برباد کر دیں۔ سچل ایک غریب چولستانی ہے جو اپنی بیٹی سکو کو گوشت خور وحشی درندوں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کے باوجود ناکام رہتا ہے۔ وہ اپنی عزت محفوظ رکھنے کے لیے وہاں ہجرت کرتا ہے کہ جو سیاہ بچھوؤں کی آماجگاہ ہے۔ سچل انسان نما بچھوؤں سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس کی عزت کو داغ نہ لگ جائے۔: عورت کا وجودی شعور ایک ایسی زبان میں اظہار کرتا ہے جس میں جگہ جگہ رازداری کی کیفیت ہوتی ہے۔ [5]

متوسط طبقے کے لوگوں کی مفلسی اور عزت کے لٹنے کو منفرد اور تلخ حقائق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ بیٹی کی موت کا بدلہ لینے کے منظر کو تمام تر جزئیات سے پیش کر کے معاشرے کے بھیانک چہروں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ افسانے کا اختتام چونکا دینے والا ہے: "پو پھٹ رہی تھی۔ غم سے نڈھال سچل اور حسینہ جوان بیٹی کی لاش کے سرہانے سر جھکائے خاموش تھے۔ تیز ہوا میں چولھے کی راکھ اڑ رہی تھی۔ سچل بوجھل قدموں سے اٹھا۔ وہ گھر کے پچھواڑے میں آیا اور اس نے اپنی تیز دھار والی کلہاڑی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔ سورج طلوع ہو چکا تھا۔ جاتے ستمبر میں اس روز سورج آگ برسا رہا تھا" [6]

"دوسرا آدمی" کا موضوع غربت اور اس سے جنم لینے والے مسائل پر مشتمل ہے۔ معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ امیر لوگ اپنی ہوس کو مٹانے کے لیے مجبور لڑکیوں کو استعمال کرتے ہیں اور اپنا مقصد پورا ہوتے ہی استعمال شدہ ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ ممتاز خان رنگین مزاج ہونے کی بناء پر شازیہ کو عیش و عشرت کے سنہرے خواب دکھا کر اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ اس کے حسن کو امیر سوسائٹی میں کیش کروانے کے لیے شادی کی پیشکش کرتا ہے۔ بیوٹی پارلر کی مالکن نفیسہ اسے ممتاز سے شادی کرنے کے لیے اکساتی ہے۔: "ویسے بھی ازدواجی زندگی میں ہر جگہ ڈرامہ ہو رہا ہے۔ کسی گھر میں عورت کے سامنے مرد اداکاری کر رہا ہے اور کہیں مرد کے ساتھ عورت اداکاری کر رہی ہے۔ کچھ اخلاقی، سماجی، مذہبی اور قانونی

---

[4] عمران اقبال، **آخری عورت** (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2003ء)، 98۔

[5] ڈاکٹر ناصر عباس نئیر، **جدید اور مابعد جدید تنقید** (کراچی: انجمن ترقی اردو، 2004ء)، 291۔

[6] عمران اقبال، **آخری عورت** (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2003ء)، 108۔

پابندیوں کی وجہ سے بہت سی کوتاہیوں کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے لیے برداشت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ تم بھی صرف سمجھوتہ کر رہی ہو۔ تمھارا شوہر ہرگز تمھارا آئیڈیل نہیں''[7]

مرکزی کردار شازیہ آسودہ حال رہنا چاہتی ہے اسی لیے وہ ایک صاحبِ حیثیت شخص ممتاز سے شادی کر لیتی ہے۔ گھر کی چار دیواری میں غیر محفوظ یہ کردار ہمارے معاشرے کا حقیقی عکس ہے۔ شادی کے فوراً بعد ممتاز اسے افتخار احمد چوہدری کے بستر کی زینت بنا دیتا ہے۔ شازیہ کو ہر روز اذیت سے گزرنا پڑتا تھا۔ آخر ایک دن وہ اپنی زندگی سے تنگ آکر خود پر تیزاب ڈال لیتی ہے: ہمارے اپنے معاشرے میں عورت بے پناہ زیادتیوں اور نا انصافیوں کا شکار ہے۔ نہ اس کے دینی حقوق تسلیم کیے جاتے ہیں نہ دینوی۔ جاگیر دارانہ معاشرہ عورت سے بھیڑ بکری جیسا سلوک کرتا ہے۔[8]

افسانہ ''دھند'' میں زندگی کے تلخ حقائق کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مشرقی اور مغربی تہذیب کے نمائندہ دو کرداروں کو شہزاد اور جولیٹ کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ ان دونوں کی سوچ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ دونوں اپنے حصار میں قید نظر آتے ہیں۔ مشرقی تہذیب کا نمائندہ شہزاد جولیٹ سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ وہ جنسی تعلقات استوار کرنے کی بجائے اسے شادی کے لیے کہتا ہے تو اس پر جولیٹ تلخ انداز میں جواب دیتی ہے: زندگی بہت خوبصورت ہے۔ جیسے چاہو لطف اٹھاؤ۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ انسان کو رسم ورواج کی دیواروں میں قید کر دیا جائے اور پھر پیار، محبت۔۔۔۔۔ مجھے نفرت ہو گئی ہے ان کھوکھلے لفظوں سے۔ کہاں تھی وہ محبت جب میں پیدا ہوئی۔ تمھاری طرح کا کوئی انسان محبت کے نام پر میری معصوم ماں کے بدن کو نوچتا کھسوٹتا رہا اور پھر ہمیشہ کے لیے اسے سسکنے اور تڑپنے کے لیے چھوڑ کر واپس چلا گیا۔[9]

''آخری اسٹیشن'' میں عورت کے استحصال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مرکزی کردار رخشندہ کے ذریعے ان عورتوں کی بے بسی کو ظاہر کیا گیا ہے کہ جو اپنے گھروں میں بھی خود کو گوشت خور درندوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔ ظفر کے ساتھ شادی کے نتیجے میں اس کی زندگی جہنم بن گئی۔ وہ جب بھی چاہتا رخشندہ کو جنسی تشدد کا نشانہ بنا دیتا۔ وہ انسان نہیں بلکہ ایک وحشی درندہ تھا۔ یہ معاشرے کا المیہ ہے کہ جب عورتیں جنسی تشدد کے خلاف آواز بلند کرتی ہیں تو انہیں مار پیٹ اور دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مرکزی کردار بھی ایسے حالات سے دوچار ہے: ظفر کی آنکھیں غصّے سے ابل پڑیں۔ وہ لال پیلا ہوتے ہوئے اول فول بکنے لگا۔ تم جہیز میں جتنا زیور اور سامان لائی ہو وہ مجھے معلوم ہے۔ شکر کرو تم جیسی لاوارث کو اس گھر میں پناہ مل گئی ہے تم ہو کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایک جاہل مطلق۔[10]

مکالمے کو کہانی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر کہانی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ جب محافظ ہی عزت کے دشمن بن جائیں تو عورت پل بھر میں مر جاتی ہے۔ رخشندہ بھی اسی صورت حال سے دوچار ہے۔ ظفر اور رخشندہ کے درمیان مکالمہ ملاحظہ کریں: وہ انگلی نچاتے ہوئے بولا۔ تمھارے لیے خوشخبری آج رات تمھاری اس خوبصورتی اور جوانی کا سودا ہو جائے گا۔ پھر تم۔۔ وہ حقارت سے بولا۔ کویت یا جہاں بھی جانا چاہو جاسکتی ہو۔ آپ کیا چاہتے ہیں۔ میری زندگی تو برباد کر چکے ہیں۔ اب مجھے اسی وہ سسکتے ہوئے بولی۔ جہنم میں بقیہ زندگی جی لینے دیں۔[11]

---

[7] عمران اقبال، **آخری عورت** (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2003ء)، 115۔

[8] ساجد علی (مترجم)، **جنسی تفریق اور اسلام** (لاہور: مشعل بکس، س۔ن ء)، 11۔

[9] عمران اقبال، **آخری عورت** (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2003ء)، 129۔

[10] عمران اقبال، **ادھورے خواب کا منظر** (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2004ء)، 30۔

[11] عمران اقبال، **ادھورے خواب کا منظر** (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2004ء)، 31۔

یہ معاشرے کا المیہ ہے کہ شریف گھر کی لڑکیاں غربت سے تنگ آکر اپنی عزتوں کا سودا کرتی ہیں۔ پیٹ کی خاطر انسان سب کچھ کر گزرتا ہے۔ غریب کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ بے بس اور مجبور لڑکیاں اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے عزت کو داؤ پر لگا دیتی ہیں۔ افسانے کے دونوں کردار اسی صورتحال سے دوچار ہیں۔

انسان اپنی زندگی میں بہت سے ایسے لوگوں سے ملتا ہے جو پہلی ملاقات میں ہی اپنا گہرا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ رابعہ پہلی نظر میں ہی آصف کو دل دے بیٹھی اور یوں وہ ہر وقت اس کے خیالوں میں کھوئی رہتی۔ جلد ہی دونوں کے درمیان حیا کے پردے سمٹتے ہی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت آصف اس سے علیحدگی میں ملنے کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے اپنے انتقام کے بارے میں بتاتا ہے۔

افسانہ "ادھورے خواب کا منظر" میں تانیثی شعور کی جھلک نمایاں ہے۔ طویل جدائی کے بعد ملن کی رُت نصیب والوں کے حصّے میں آتی ہے۔ وصل کے چند لمحات میں انسان اپنی ساری زندگی جی لیتا ہے۔ دکھ کے مقابلے میں خوشیوں کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ بعض اوقات انسان محبوب سے قربت کے لمحات کے لیے تڑپتا رہتا ہے۔ ازل سے ہی محبت کا انجام جدائی رہا ہے۔ محبت کرنے والے ہمیشہ خالی ہاتھ اور خالی دامن رہ جاتے ہیں۔ افسانے کے دونوں کردار ساجد ارمان اور افشین اسی صورتحال سے دوچار ہیں۔ عمران اقبال کے فن افسانہ نگاری پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر نجیب جمال رقمطراز ہیں: "آج جب میں ان کے افسانوں کا انتخاب کر رہا ہوں اور اس کی کہانیوں پر از سرِ نو ایک نظر ڈال رہا ہوں تو یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے اپنی بصیرت کے مشاہدے اور تجربے کو ہم آمیز کر کے جو کہانیاں لکھی ہیں ان میں وہ خارج سے باطن کی تہہ میں اترتا ہے اور اس غواصی سے وہ انسانی لاشعور کی تہہ در تہہ لطافتوں اور کثافتوں کی خبر لاتا ہے"[12]

افسانہ " پاپ"، تانیثی شعور کے حوالے سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس افسانے میں وڈیرے اور جاگیرداروں کے ظلم کے خلاف آواز بلند کی گئی ہے۔ طاقتور طبقہ اپنے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو ہمیشہ کے لیے دبا دیتا ہے۔ یہ معاشرے کا المیہ ہے کہ غریب لوگ ہمیشہ ظلم کی چکی میں پستے رہتے ہیں۔ اپنے حق کے لیے آواز اٹھانا ان کے لیے باعثِ جرم بن جاتا ہے۔ شیما بھی اسی صورت حال سے دوچار ہے۔ وہ خود کو بچانے کی کوشش میں موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہے: ایک نوجوان عورت کی لاش چولستان کے گاؤں سانول کے ایک ٹوبے میں تیرتی ہوئی پائی گئی۔ لاش گل سڑ گئی تھی۔ پولیس موقع پر پہنچ گئی۔ گاؤں کے زمیندار نے لاش کو شناخت کر لیا تھا۔ شیماں ان کے گاؤں کی رہائشی تھی۔ شاید کسی زہریلے جانور نے اسے کاٹ لیا تھا۔ پولیس نے اتفاقی حادثہ قرار دے کر لاش گاؤں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت دے دی۔[13]

"دھنک رنگ لڑکی" میں سمیرا کے کردار کو وفاشعار بیوی کے روپ میں دکھایا گیا ہے جو اپنی عزت کی خاطر دنیا کی ہر بڑی آسائش کو ٹھکرانا جانتی ہے۔ ذیشان ملک گھٹیا کردار کا مالک ہے، وہ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے تحت سمیرا کی زندگی میں آتا ہے تاکہ شادی کے بعد اسے گوشت خور وحشی درندوں کے حوالے کر سکے۔ جلد ہی سمیرا اسے شادی کر کے اسے اپنے دوستوں کے سامنے پیش کرتا ہے جو سب مل کر اس کی عزت لوٹتے

---

[12] ڈاکٹر نجیب جمال، **عمران اقبال کے منتخب افسانے** (لاہور: 21 سینچری پبلی کیشنز، 2013ء)، 8۔

[13] **ایضا**، 100۔

ہیں۔ ہوش میں آتے ہی وہ خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہتی اور ٹوٹ کر بکھر جاتی ہے: تانیثیت کے مبلغ یہ مانتے ہیں کہ ادب اور زندگی میں جتنے بھی اصول بنائے گئے ہیں، وہ تمام مردوں نے ہی بنائے ہیں۔ [14]

''دو راستے'' میں عشرت محمود کی گندی ذہنیت کو اس کے کردار کے ذریعے پیش کیا گیا ہے جو اپنی شاطرانہ چال چلتے ہوئے ملازمت کی سہولتوں اور دیگر مالی فوائد کا ذکر کرتا ہے۔ اس کی ساری باتیں سننے کے بعد لائبہ اپنی شخصی آزادی کو قائم رکھنے کی شرط رکھتے ہوئے کہتی ہے: میں کسی بھی قیمت پر اپنی شخصی آزادی سے محروم نہیں ہونا چاہتی۔ میری تربیت اسی طرح ہوئی ہے اور شاید ہر انسان کی یہی تمنا ہے۔ جو لڑکیاں ماڈرن ہوتی ہیں اور مردوں کے ساتھ کام کرتی ہیں وہ ضروری نہیں کہ بے شرم اور اخلاق باختہ ہوں۔ ان کی زندگی کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔ [15]

افسانے میں لائبہ کا کردار ایک شمع کی مانند ہے جو خود تو بجھ کر دوسروں کی تاریک راہوں کو روشن کر دیتی ہے۔ اکیسویں صدی کی لڑکیوں کے لیے اس کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ شمع نے اپنے بلند کردار کی بدولت یہ بات ثابت کر دی کہ حالات چاہے جس رخ پر بھی کروٹ لے رہے ہوں ہمیں اپنی شخصی آزادی کو ہمیشہ قائم رکھنا چاہیے عشرت محمود کا اصل چہرہ بے نقاب ہوتے ہی وہ اپنا آخری پتا پھینکتے ہوئے کہتا ہے کہ تمھارے پاس صرف دو راستے ہیں۔ ایک طرف شاندار مستقبل کی نوید اور دوسری طرف نام نہاد روایت کا بھرم۔ تم اپنے لیے خود راستہ منتخب کر لو۔ لائبہ اس کی شخصیت پر تنقید کرتے ہوئے جواب دیتی ہے: میں ماڈرن ضرور ہوں لیکن زندگی کی سب حقیقتوں سے بخوبی آگاہ ہوں۔ اور پھر میری جیسی ہر لڑکی کا ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ صرف عزت اور محنت کی زندگی گزارنا جہاں کوئی شخص ہماری عزتِ نفس کو مجروح نہ کر سکے۔ [16]

عمران اقبال نے اپنے افسانے ''مسلمان'' میں جہاں مغربی تہذیب کے بدنما چہرے سے پردہ اٹھایا وہیں انہوں نے مشرقی تہذیب میں پائی جانے والی خامیوں کو بھی پیش کیا ہے۔ افسانے میں پاکستانی اور ایشیائی باشندوں کی خود غرضی کو اجاگر کیا ہے۔ یہ لوگ مغربی ممالک میں جا کر وہاں کی شہریت حاصل کرنے کے لیے جھوٹی محبت کا ڈراما رچاتے ہیں۔ گلوریا پاکستانی لڑکے تنویر سے محبت کرتی ہے اور شادی سے پہلے مرکزی کردار سے مسلمان بننے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے۔

محبت ایک انمول تحفہ ہے جو ہر کسی کے نصیب میں نہیں۔ کچھ لوگ اپنی محبت کو پانے کے لیے ساری عمر سرگرداں رہتے ہیں لیکن پھر بھی اپنے پیار کو پانے میں ناکام رہتے ہیں۔ افسانے میں کرن اسی صورتحال سے دوچار ہے۔ وہ مرکزی کردار گلریز جمال کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس سے محبت کرنا نہیں چھوڑتی اور اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے: مجھے پتا ہے آپ کی زندگی میں مجھ سے پہلے بھی ایک عورت آچکی ہے۔ اگر اسے ہمارے تعلق کا علم ہو گیا تو شاید اسے بہت تکلیف ہو گی۔ میں خود عورت ہوں اور دوسری عورت کے جذبات سمجھ سکتی ہوں۔ مجھے اپنی اور آپ کی عمروں کا فرق بھی معلوم ہے۔ لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں بس آپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ [17]

''پارٹ ٹائم جاب'' میں متوسط طبقے کے لوگوں کی غربت و افلاس کی بہترین عکاسی کی گئی ہے۔ یہ طبقہ اپنا پیٹ پالنے کے لیے ہر طرح کا کام کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ سمیرا کو مستقل کام تو نہ ملا لیکن اسے پارٹ ٹائم جاب کے طور پر اچھا پیشکش کی گئی اور وہ بخوشی اس کام کو سرانجام دینے

---

[14] انور پاشا (مرتب)، **تانیثیت اور ادب** (دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، 1995ء)، 22۔

[15] عمران اقبال، **مون سون** (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2005ء)، 88۔

[16] **ایضاً**، 90۔

[17] عمران اقبال، **نام گم ہو جاتے ہیں** (لاہور: الحمد پبلی کیشنز، 2008ء)، 18۔

لگی۔ اس کام میں اسے زیادہ محنت بھی نہیں کرنی پڑی اور معاوضہ بھی اچھا خاصا ملنے لگا: تم ہفتے میں ایک دن کام پر آؤ گی۔ جس دن ماسی جنت چھٹی کرتی ہے اور ہاں تمھاری تنخواہ بھی دوگنی یعنی تین ہزار ماہانہ ہو گی۔ پلوشہ نے شوخ انداز میں اپنی بات مکمل کی۔ اطمینان اور خوشی سمیرا کے انگ انگ میں پھوٹنے لگی۔[18]

"سوکھے پتے" تانیثی شعور کے حوالے سے عمدہ افسانہ ہے۔ اس میں عشرت بائی ماضی کی حسین یادوں میں کھو کر اپنی زندگی کے تلخ حقائق کو یاد کرتے ہوئے غمگین ہو جاتی ہے۔ وہ مرینہ جان کو ہوس پرست درندوں سے بچاتے ہوئے اپنی آواز کھو بیٹھی۔ یہاں پر کھوکھلے معاشرے کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے جو اپنے مفاد کے لیے ہر حد سے گزر جانے کو تیار ہوتا ہے۔ خوفناک حادثے کی بدولت عشرت بائی کا حسن ڈھل چکا تھا اور وہ اپنی زندگی کی آخری سانسیں گن رہی تھی۔ ماضی میں کچھ ایسے حادثات رونما ہوتے ہیں کہ جن کو بھلانا انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ انسان کا المیہ ہے کہ اپنی محبوب شخصیت کے سامنے سارے دکھ کھول کر بیان کر دیتا ہے۔ عشرت بائی اسی صورتحال سے دوچار ہو کر جیسے تیسے اپنی زندگی کے دن کاٹ رہی ہے۔ وہ اپنے محبوب اختر ساز کو تباہی و بربادی کی داستان تمام تر جزئیات کے ساتھ سناتی ہے۔

"ستلج برج" تانیثیت کی عمدہ مثال ہے۔ اس افسانے میں محبت کی ناکامی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مشرقی معاشرے میں پروان چڑھنے والی لڑکیاں کبھی اپنے حق کے لیے آواز نہیں اٹھاتیں چاہے انہیں کسی ناپسندیدہ مرد سے ہی بیاہ دیا جائے۔ یہاں لڑکیوں کے دلی جذبات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ روایتی محبت کی کہانی کبھی پروان نہیں چڑھتی کیونکہ دو دلوں کے درمیان ظالم سماج، رسوم و رواج اور ذات پات کا فرق دیوار بن جاتا ہے۔ پارو اسی صورتحال سے دوچار ہے۔

شادی ایک ایسا جوا ہے جو سب کے لیے شادمانی کا باعث نہیں بنتا۔ خوشگوار ازدواجی زندگی قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ شادی کہیں تو دامن خوشیوں سے بھر دیتی ہے اور کہیں پچھتاوے کا باعث بن جاتی ہے۔ زبیدہ کی شادی اپنے کزن شبیر کے ساتھ طے پا گئی جو ہر وقت نشے میں دھت رہتا، شادی کی پہلی رات ہی زبیدہ پر ساری حقیقت آشکار ہو گئی تو اس لمحے وہ شدید ذہنی اذیت کا شکار ہو کر اپنی قسمت کو کوسنے لگی: شادی کے چند روز بعد ہی زبیدہ اور اس کے گھر والوں کو معلوم ہو گیا کہ انھوں نے کتنا بڑا دھوکہ کیا ہے۔ شبیر نشہ کرنے کا عادی اور جواری تھا۔ اسے ملازمت سے فارغ کر دیا گیا تھا۔ وہ سارا دن جرائم پیشہ افراد کی صحبت میں وقت گزارتا اور رات گئے گھر لوٹتا۔ بات بات پر وہ زبیدہ کو جسمانی تشدد کا نشانہ بنانے لگا۔ ساس سسر کی جانب سے جہیز کم لانے کے طعنے علاوہ تھے۔[19]

اردو فکشن کی دنیا میں عمران اقبال کا نام نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں معاشرے کے ظلم و ستم سے ستائی ہوئی عورتوں کو موضوع بنایا ہے۔ عورتوں کے جذبات و احساسات، گھریلو مسائل، اور ان کے جائز حقوق کو نہ صرف کھلم کھلا بیان کیا ہے بلکہ انہیں تانیثی شعور بھی بخشا ہے۔ جس کی بدولت وہ اپنے حق کے لیے آواز بلند کر کے اپنے ساتھ ہونے والی تمام ناانصافیوں کا حساب لے سکتی ہیں۔ دوسروں کے لیے تو سبھی لڑتے ہیں لیکن جو اپنے لیے لڑنا سیکھ جائے اسے تانیثی شعور کہتے ہیں۔ عمران اقبال نے خیالی محبوبہ کی بجائے بھٹہ مزدور، کسان و محنت کش، سماجی و معاشرتی ناانصافیوں کا شکار عورت کا عکس پیش کیا ہے۔ یہ عورت ملازمت کے علاوہ زیور تعلیم سے محروم روپ میں نظر آتی ہے۔ اسی طرح اسے باپ

---

[18] ایضاً، 40۔

[19] ایضاً، 10۔

بھائی اور شوہر کے جرائم کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے۔ سماج کی یہ کمزور ہستی قتل، زبردستی نکاح، ونی، کاروکاری، خانگی و جنسی تشدد کا شکار، تیزاب گردی اور پھٹتے چولہوں کا شکار ذہنی و نفسیاتی مسائل میں گھری ہوئی ہے۔ عمران اقبال نے اپنے افسانوں میں اپنوں کی بے حسی اور جنسی استحصال کی مختلف صورتوں کو نمایاں کیا ہے۔ ان کے کردار ہمیشہ تخلیق میں نمو پا کر شعور و ادراک کی نئی جہتیں سامنے لاتے ہیں۔ عمران اقبال نے ایسی عورت کی حقیقی تصویر پیش کی ہے جسے ہر قدم پر مرد کے جابرانہ رویے، فرسودہ رسم و رواج، شوہر اور سسرال کے مظالم، خانگی، تشدد اور جنسی ہراسانی کی مختلف صورتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ عمران اقبال کے افسانوں میں عورت کے نفسیاتی مسائل، جاگیرداروں، سرمایہ داروں، بیوروکریٹس اور افسران بالا کی جنسی بھوک کی عکاسی کی گئی ہے۔

☆☆☆